جُرم، توبہ
اور
اِصلاحِ احوال

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

جرم، توبہ
اور اصلاح احوال

(اسیرانِ جیل سے تربیتی خطاب)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب وتدوین

ضیاء نیر - نعیم انور نعمانی

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحق تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	جرم، توبہ اور اِصلاح اَحوال
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ضیاء نیر، نعیم انور نعمانی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	فروری 1995ء (2,000)
اِشاعت نمبر 2	:	اکتوبر 2000ء (1,100)
اِشاعت نمبر 3	:	اپریل 2001ء (1,100)
اِشاعت نمبر 4	:	اکتوبر 2004ء (1,100)
اِشاعت نمبر 5	:	اگست 2007ء (1,100)
اِشاعت نمبر 6	:	فروری 2009ء (1,100)
اِشاعت نمبر 7	:	ستمبر 2010ء (1,200)
اِشاعت نمبر 8	:	جولائی 2012ء
تعداد	:	1,200
قیمت	:	-/25 روپے

ISBN 978-969-32-0858-0

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس, CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریک منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی ۔ا)۴-۱/۸۰ پی آئی وی، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/۰ ۹۷-۳-۷ ، مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این ۔ا/اے ڈی (لائبریری)، مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت/انتظامیہ ۶۳-۱۶۱-۹۲/۸۰، مورخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں کے تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	پیش لفظ	
۲	ایک توجہ طلب دلچسپ نکتہ	
۳	پیار بھرا اسلوب خطاب	
۴	جرم اور گناہ میں فرق	
۵	توبہ سے گناہوں کا ازالہ ممکن ہے	
۶	بندے اور رب کے باہمی تعلق کی نوعیت	
۷	رب تعالیٰ کا پیغامِ رحمت بندے کے نام	
۸	گناہ سے نفرت، گنہگار سے نہیں	
۹	اسلامی تعلیمات کا بنیادی نکتہ	
۱۰	ایک حدیث قدسی	
۱۱	اسیرانِ جیل سے ضروری گزارش	
۱۲	حرف آخر	

پیش لفظ

انسانی فطرت دو چیزوں سے مرکب ہے ارادۂ خیر اور ارادۂ شر' ان دونوں قوتوں میں تصادم جاری رہتا ہے۔ اگر ارادۂ شر کی قوتیں غالب آ جائیں تو انسان اسفل السافلین کی منزل تک جا پہنچتا ہے اور اگر ارادۂ خیر کی قوتیں غالب و فائق ہو جائیں تو وہ انسان' انسانِ مرتضٰی بن جاتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جو ان دونوں خلقی و جبلی قوتوں کی کش مکش میں خیر و نیکی کی قوتوں کے نفس انسانی پر تغلّب کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ محروم و خاسر ہیں وہ لوگ جو برائی و شر کی قوتوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اس کشمکش میں اسلام نیکی و خیر کی قوتوں کے فروغ و ترویج کے لئے تحریک پیدا کرتا ہے برائی و شر' گناہ و خطا' معصیت و نافرمانی سے مائل بتنفر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام گناہگار و خطا کار سے نہیں گناہ و خطا سے نفرت کا درس دیتا ہے، مظلوم سے نہیں ظلم سے تعلقِ خاطر منقطع کرنے کی تعلیم دیتا ہے، محکوم سے نہیں ظالم و مستبد حاکم سے دو بدو پنجہ آزمائی کے لئے ابھارتا ہے، مجبور مقہور سے نہیں، جابر و ستم شعار سے تذلیل و تحقیر آمیز سلوک کے لئے آمادہ کرتا ہے، مجرم سے نہیں، جرم سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے سنٹر جیل فیصل آباد میں قیدیوں سے کئے گئے خطاب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب روحانی و اخلاقی اور تربیتی لحاظ سے

ہر خاص و عام کے لئے بالعموم اور جیل کی زندگی بسر کرنے والوں کے لئے بالخصوص ''ایک نایاب نسخہ'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں صدق دل اور کامل اخلاص کے ساتھ اس سے استفادہ کرنے اور اپنے تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

نعیم انور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جیلی قیدیوں کے بارے میں اہانت کا جو تصور پایا جاتا ہے اور ان کے بارے میں جو گمان کیا جاتا ہے کہ شاید وہ معاشرے کا کوئی چوتھا طبقہ ہے۔ یہ تصور غلط، بے مقصد اور بے بنیاد ہے اور ایسا گمان کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس لئے کہ یہ بات یقینی طور نہیں کہی جا سکتی کہ ہر سزا پانے والا واقعتاً قصوروار بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ بلکہ اس رائج الوقت غیر منصفانہ نظام میں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قصوروار چھوٹ جاتے ہیں اور بے گناہ دھر لئے جاتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ جیل میں سزا بھگتنے والے سبھی لوگ جاہل ہوتے ہیں، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہاں آنے والوں میں اہل علم بھی ہیں اور اہل عمل بھی۔ زندگی کے ہر طبقے اور شعبے سے تعلق رکھنے والے اور مختلف اعمال و احوال والے لوگ یہاں موجود ہوتے ہیں۔

ایک توجہ طلب دلچسپ نکتہ

قرآن حکیم کا یہ ارشاد غور و توجہ کا مستحق اور دلچسپی کا حامل ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (الزمر، ۳۹:۵۳)	اے محبوب ﷺ فرما دیجئے! اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تمہیں اللہ کی رحمت سے کسی حال میں مایوس نہیں ہونا۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے محبوب! میرا یہ پیغام میرے

بندوں تک پہنچا دیجئے۔ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔غور کیجئے! روئے خطاب ان لوگوں سے نہیں جو پرہیز گار، پارسا اور متقی ہیں، بات ان کی نہیں ہو رہی، جو تقویٰ، زہد و ورع، صالحیت اور علم و عمل کی بنا پر بلند درجہ رکھتے ہیں بلکہ ان گنہگاروں اور خطا کاروں کی بات ہو رہی ہے، جو نفس یا شیطان کے بہکاوے میں آ کر یا کسی بھی مجبوری یا سبب سے اللہ کے حکم سے سرتابی اور نافرمانی کے مرتکب ہو گئے اور ان سے دانستہ یا نادانستہ غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو گئیں۔ گویا اللہ کی نگاہ کرم ان لوگوں کی طرف اٹھی ہے جو مجرم ہیں اور ان کے شب و روز معصیت اور نافرمانی میں بسر ہوتے ہیں۔ اللہ سے ان کا تعلق ٹوٹ گیا یا کمزور پڑ گیا ہے۔ کتنے لطف کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے وہ بندے یاد آ رہے ہیں جو اسے بھول گئے اور اس کے راستے سے دور ہٹ گئے، لیکن وہ اپنے ان گم کردہ راہ بندوں سے بے خبر اور بے نیاز نہیں ہے۔ اللہ اپنے محبوب ﷺ کے توسط سے انہیں اپنا پیغام پہنچا رہا ہے اس لئے کہ جو نیکوکار اور پرہیز گار ہیں انہیں تو ہر وقت پیغام پہنچتا ہی رہتا ہے۔

پیار بھرا اسلوبِ خطاب

اللہ تعالیٰ نے اپنے گنہگار بندوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ''اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر گناہ و جرم و معصیت جیسے مظالم کے مرتکب ہو بیٹھے۔'' اس میں چھوٹے بڑے سب گنہگار آ گئے۔ بات یوں بھی کی جا سکتی تھی کہ اے میرے بندو! میرا پیغام سن لو، لیکن مطلق ''یا عبادی'' یعنی ''اے میرے گنہگار بندو!'' کہہ کر خطاب کیا جا رہا ہے۔ روئے خطاب تمام بندوں سے نہیں بلکہ صرف گنہگار اور خطا کاروں سے ہے۔ پرہیز گاروں کو اس خطاب سے الگ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے انکو اپنی پرہیز گاری، عبادت، تقویٰ اور صالحیت پر فخر اور گھمنڈ ہو۔ یہ

خطاب فقط ان لوگوں کے لئے ہے، جو غلطی اور گناہ کے بعد پریشان و پشیمان ہیں' ان کے دل ٹوٹ چکے ہیں اور وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم نے اپنے گناہوں سے اللہ کو ناراض کر دیا ہے۔ اب ہماری مغفرت اور بخشش کا سامان ہوگا بھی یا نہیں۔ یہ دل شکستہ اور پریشان حال دکھی لوگ وہ ہیں جو احساس جرم کے بار کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور انہیں اپنی معصیت کوشی کی وجہ سے خود اپنے آپ سے شرم آ رہی ہے اور اپنی خطا کاریوں کے پیش نظر ندامت سے ان میں لوگوں کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے، لیکن اللہ کی رحمت انہیں پیار سے پکار رہی ہے اور انہیں اپنے محبوب ﷺ کی وساطت سے پیار بھرے انداز میں پیغام بھیجا جا رہا ہے۔

خطاب کا یہ اسلوب اختیار کرنے کی وجہ کیا ہے؟ میرے گنہگار بندو! کی بجائے صرف گنہگار بندو! کہہ دیا جاتا تو کیا فرق پڑتا؟ اس کا فرق جاننے کے لئے یہ نکتہ سمجھ لو کہ اگر صرف گنہگار بندو! سے خطاب کا آغاز ہوتا تو وہ گنہگار بندے تو بارِ گناہ سے پہلے ہی لرزہ بر اندام اور دبے ہوئے تھے' انہیں کیا خبر تھی کہ پروردگار کیا کہنا چاہتا ہے۔ ممکن تھا کہ وہ یہ بات سن کر ڈر جاتے اور اندیشہ ہائے دور دراز میں ہلکان ہو جاتے کہ ان کا رب انہیں کوئی ایسا حکم دینا چاہتا ہے، جس میں کوئی سزا اور اس کی رحمت سے دوری کی وعید ہے۔ پریشان' مایوس' پریدہ رنگ اور شکستہ دل تو پہلے ہی سے تھے اور اب اگر یہ خطاب ان کے کانوں میں پڑ جاتا تو خدا جانے ان پر مزید کیا گزرتی۔ وہ اور بھی دل گرفتہ ہو جاتے اور اس سوچ میں پڑ جاتے کہ شاید کوتاہیوں اور خطاؤں پر ان کی گرفت ہونے والی ہے۔ لیکن اس خطاب میں جو اپنائیت اور چاہت کا انداز ہے اس نے ان کی ڈھارس بندھا دی ہے۔ اللہ کی ذات رحیم اپنے محبوب ﷺ سے کہہ رہی ہے کہ میں اپنے بندوں کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنا اور ان دکھیاروں کو راحت اور آسودگی سے نوازنا چاہتا ہو، وہ جو گناہ کر کے مایوسی کے عالم میں میری بارگاہ سے دور بھاگے جا رہے ہیں، میں انہیں اپنی رحمت کا مژدہ جانفزا سنا کر اپنے قریب کرنا چاہتا ہوں۔ اے محبوب کریم ﷺ تو انہیں میرے بندے کہہ کر پکار اور میری طرف بلا۔ اس

لئے کہ جب وہ یہ پکار اور بلاوا سنیں گے تو ان کی وحشت دل اسی وقت دور ہو جائے گی اور وہ کھچے ہوئے میری بارگاہ ناز میں چلے آئیں گے۔

محبوبِ حقیقی اپنی زبان سے کسی کو میرا' کہہ کر پکارے تو چاہے وہ کتنا ہی سیاہ کار اور خطا کوش کیوں نہ ہو اس کی مایوسیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور پریشانیوں کی پرچھائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ یٰعبادی کا لفظ کانوں میں پڑتے ہی وہ قدم جو وحشت زدگی میں اللہ کی رحمت سے دور بھاگے جا رہے تھے، رک جاتے ہیں اور وہ بندہ لوٹ کر پیچھے تکنے لگتا ہے کہ میرے رب نے گناہوں کے باوجود مجھے اپنا کہہ کر بلایا ہے۔

جرم اور گناہ میں فرق

یہاں یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ جرم اور گناہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ گناہ اللہ کی نافرمانی کو کہتے ہیں اور جرم کہتے ہیں اللہ کی اس نافرمانی کو جس پر ریاست سزا دے۔ گویا ہر جرم گناہ ہوتا ہے، لیکن ہر گناہ جرم نہیں ہوتا۔ بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں، جن پر عدالتی سطح پر ریاست کی طرف سے کوئی سزا نہیں۔ مثال کے طور پر جھوٹ بولنا گناہ ہے، لیکن اس کی کوئی سزا ریاست نے مقرر نہیں کی۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ضروری نہیں ہر جرم گناہ سے بڑا ہو۔ کچھ جرم ہلکے ہوتے ہیں اور کئی گناہ محض گناہ ہو کر بھی کئی گناہوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ یہ بات ممکن ہے کہ کسی نے ہلکا سا جرم کیا اور اسے پکڑ کر داخل زنداں کر دیا گیا۔ اس کے مقابلے میں کسی نے ایسا گناہ کیا، جو جرم سے بھاری تھا، لیکن پکڑا نہ گیا اور وہ معاشرے میں معزز بنا پھرتا رہا۔ جرم و گناہ کے باب میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے۔ معلوم نہیں ہم میں کتنے ایسے گناہ گار ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں ان سے کہیں زیادہ جوابدہ ہیں، جنہیں کسی نہ کسی جرم کی بناء پر جیل میں ڈال دیا گیا ہے اور وہ گنہگار اپنے اوپر باعزت اور باوقار ہونے کا لبادہ اوڑھے بیٹھے ہیں۔ چونکہ وہ یہاں گرفت سے محفوظ ہیں، اس لئے ان کے

معزز ہونے کا بھرم بنا ہوا ہے۔ لیکن انہیں روز جزا اپنے گناہوں کا حساب دینا پڑے گا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ ٹھہرائے جائیں گے۔ ان کے برعکس اسیران جیل میں ایسے بھی ہوتے ہیں، جن سے سرزد ہونے والا جرم اتنا بڑا نہیں ہوگا جتنا کہ ہم جیل سے باہر بظاہر محفوظ بیٹھے رہنے والوں سے صادر ہوا ہوگا، لیکن اللہ نے چاہا کہ ان کے گناہ کا حساب یہاں چکا دیا جائے اور آخرت میں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو اور وہاں وہ ہر قسم کی گرفت اور مواخذے سے محفوظ ہوں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ و قانون ہے کہ جو ایک دفعہ سزا سے گزر جائے، اسے دوسری بار سزا نہیں دی جاتی۔ اس دنیا کا بھی یہی قانون ہے کہ جو ایک دفعہ سزا بھگت لے اسے دوبارہ سزا نہیں دی جا سکتی۔

توبہ سے گناہوں کا ازالہ ممکن ہے

اللہ کی ذات سراسر رحمت ہے۔ اسے یہ کب گوارا ہو سکتا ہے کہ جرم تو ایک دفعہ کیا جائے اور جرم کرنے والے کو سزا دو بار دی جائے۔ اس لئے جو اپنے جرم کی یہاں سزا پا چکے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ اسی دنیا میں چھوٹ گئے اور آخرت میں جوابدہی اور مواخذے سے بچ گئے۔ لیکن وہ بھی ہیں، جنہوں نے گناہ کیا اور پکڑے نہ گئے۔ قانون کی گرفت میں نہ آنے کی وجہ سے وہ سزا نہ پا سکے۔ اگر وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہاں چھوٹ گئے ہیں تو کبھی گرفت میں نہیں آئیں گے، تو یہ ان کی بھول ہے' آخرت میں خدا جانے وہ کس طرح چھوٹیں گے اور ان کا حشر کیا ہوگا۔ لیکن ایک چیز جو گناہ کا ازالہ کرنے والی ہے وہ توبہ ہے۔ جب کوئی گنہ گار اللہ کی طرف رجوع کر کے توبہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کا اپنے گنہگار بندوں سے یا عبادی کہہ کر خطاب فرمانا انہیں یہ باور کرانے کے لئے ہے کہ اگرچہ تم بندے ہو کر مجھے بھول گئے ہو، لیکن میں تمہارا رب ہو کر

تمہیں نہیں بھولا، تم خطاؤں اور گناہوں میں مبتلا ہو کر مجھ سے دور چلے گئے اور میرا رب ہونا تمہیں یاد نہ رہا، لیکن تم چاہے کتنے ہی نافرمان اور سرکش کیوں نہ ہو جاؤ، میری رحمت پھر بھی تمہیں اپنی طرف بلاتی رہتی ہے اس لئے کہ:

رحمت حق بہانہ می جوید بہا نمی جوید

یاد رہے کہ انسان گناہ کرتا ہے تو اس لمحے وہ اپنے رب کو بھولا ہوا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ گناہ کے قریب بھی پھٹک نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ خدا کو یاد رکھے تو گناہ کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بندہ حق جس وقت گناہ کے کسی کام میں مشغول ہوتا ہے' چاہے اس کا محرک نفسانی خواہش یا لذت کی تسکین ہو یا دنیاوی آسائشوں' راحتوں اور معیار زندگی بلند کرنے کی ہوس ہو' اگر خدا کی یاد اس کے دل میں جاگزیں ہو تو اس کے لئے گناہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ انسان کتنا نادان ہے جسے یہ بھی علم ہے کہ وہ اپنے رب کا بندہ ہے، پھر بھی وہ اپنے رب کی نافرمانی پر کمر بستہ رہتا ہے اور گناہ و خطا میں محو و بدمست ہو کر اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔

بندے اور رب کے باہمی تعلق کی نوعیت

وہ بندہ کتنا بدنصیب ہے جو اپنے رب کو بھول جائے۔ وہ رب یا عبادی کہہ کر اپنے بندے کو گویا یہ یاد دلا رہا ہے کہ دیکھ تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ تو بندہ ہو کر مجھے بھول گیا اور میں رب ہو کر (تیرے گناہوں کو تو دیکھ رہا ہوں لیکن) تجھے نہیں بھولا۔ یا عبادی کہنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اے میرے بندے! اگر تو مجھے اپنا رب مانتا ہے تو جس طرح میں تجھے اپنا کہہ کر پکار رہا ہوں تو بھی مجھے اپنا رب کہہ کر پکار۔ اس حکمت کے پیش نظر بندہ نماز میں جب رکوع میں جاتا ہے تو ''سبحان ربی العظیم'' اور سجدے میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہہ کر اپنے رب کو یاد کرتا ہے یعنی پاک ہے تو اے میرے عظمتوں والے اور

بلندیوں والے رب! یہ نہیں کہ کہ پاک ہے رب عظیم اور پاک ہے رب اعلیٰ اس لئے کہ اول الذکر کلمات میں جو اپنائیت کا انداز پایا جاتا ہے وہ آخر الذکر میں کہاں!

واضح ہو کہ بندے کو یہ تعلیم اپنے رب سے محبت کا تعلق استوار کرنے کے لئے دی جارہی ہے اس لئے کہ بندگی کا مزہ آ ہی نہیں سکتا جب تک اس کا اپنے رب سے تعلق محبت مستحکم نہ ہو جائے۔ بندگی کا حق تبھی ادا ہو سکے گا جب تعلق محبت میں پختگی اور محکمی آئے گی۔ نماز میں اللہ تعالیٰ یہ تصور دینا چاہتا ہے کہ اے میرے بندے تیرا رکوع اس وقت تک رکوع اور سجدہ اس وقت سجدہ نہیں ہوگا جب تک تو اپنے دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنا رب کہہ کر نہ پکارے۔ اپنائیت اور محبت پر مبنی یہ تعلق استوار ہوگا تو تجھے عبادت میں لذت اور مزہ نصیب ہوگا۔ یا عبادی کہنے میں جو اسلوب خطاب اختیار کیا گیا تھا اسمیں باری تعالیٰ اپنے بندوں سے ایسی اپنائیت کا اظہار کر رہے ہیں اور اس میں یہ تلقین بھی مضمر ہے کہ اے میرے بندے تو بھی مجھے اپنا سمجھ اور جان لے کہ اگر تو مجھے اپنا سمجھے گا تو پھر کبھی تجھ سے نافرمانی اور گناہ و خطا سرزد نہیں ہوں گے۔ دیکھ اے بندے! میں تیرا تھا لیکن تو نے مجھے اپنا نہ جانا اور ادھر تو میرا لیکن تو اپنے آپ کو غیر بنانے کی فکر میں مجھ سے دور رہا۔ مگر اس کے باوجود میں تجھے اپنا بناتا ہوں اور تیرے جرموں، گناہوں اور خطاؤں کے باوجود تجھے اپنا بندہ کہتا ہوں۔

اس خطاب کے ہونے کی دیر تھی کہ بندے پر گناہوں کی وجہ سے جو مایوسیوں کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے وہ چھٹ گئے اور فضا میں یاس و بے یقینی کی جگہ آس اور امید نے لے لی۔ اس طرح رب کی رحمت سے ایک رشتہ امید قائم ہو گیا۔ بندے کے قدم جو خوف سے لڑکھڑا رہے تھے، ان میں ایک ٹھہراؤ اور جماؤ آ گیا۔ جسم پر جو لرزہ طاری تھا، سکون میں بدل گیا۔ جب اس کے دل کے کانوں نے یہ ندا سنی کہ مجھ جیسے گنہگار کو میرا رب اپنا بندہ کہہ کر پکار رہا ہے تو اس کے انگ انگ سے آواز آنے لگی کہ اے رب! مجھے بتا کہ

میرے لئے تیرا کیا حکم ہے؟ رب تعالی نے اپنے محبوب ﷺ سے کہا کہ میرے اس بندے کو اپنے قریب کر کے یہ محبت بھرا پیغام اپنی میٹھی اور شیریں آواز میں سنا دے، لیکن اس سے پہلے اسے ڈھارس دے کہ ڈر اور وحشت کی ضرورت نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ گناہوں، خطاؤں اور معصیت کوشیوں سے تو شکستہ دل اور نادم و شرمندہ ہے، مگر پھر بھی میں تجھے ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔

ربّ تعالیٰ کا پیغام رحمت بندے کے نام

کانوں میں مژدہ پیغامِ رحمت کا پڑنا تھا کہ بندہ سراپا انتظار و اضطراب بن کر اس الوہی پیغام کے لیے گوش برآواز ہوگیا۔ وہ پیغام کیا تھا؟ اس کے لئے الفاظ روح میں یوں رس گھولتے ہوئے آئے کہ بندے پر وجد و مستی اور یک گونہ کیف و انبساط کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آواز آئی۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ۔ — اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید نہ ہونا

اے میرے بندے میرا پیغام بس یہی ہے کہ تیرے گناہ چاہے پہاڑ جتنے ہوں، تجھے میری رحمت سے کسی حال میں مایوس نہیں ہونا۔ یہ جان لے کہ میری رحمت فقط نیکوکاروں، پارساؤں اور متقیوں کے لئے نہیں، گنہگاروں اور خطاکاروں کے لئے اس سے بھی زیادہ ہے۔

ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ کی رحمت کے زیادہ مستحق، نیکوکار اور اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں یا وہ گنہگار جو اللہ کی اطاعت سے منہ موڑے ہوئے طغیان و بغاوت کی راہ پر ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گنہگار بندے نیکوکاروں سے بھی بڑھ کر رحمت خداوندی کے مستحق ہیں، منطق کی رو سے اس کی مثال اس طرح ہے کہ دو اشخاص میں سے ایک صحت مند اور دوسرا مریض ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ ان میں طبیب کی شفقت اور توجہ کا

زیادہ مستحق کون ہے؟ تو ہر صاحبِ عقلِ سلیم یہی کہے گا کہ مریض ہی زیادہ مستحق ہے۔ اس تمثیل کے پیشِ نظر گنہگار روحانی مریض ہے، جبکہ نیکوکار روحانی طور پر تندرست ہے اور اسے اس قدر روحانی توجہ اور علاج کی ضرورت نہیں جتنی کہ روحانی مریض کو ہے۔ اس اعتبار سے مستحق رحمت نیکوکاروں سے کہیں بڑھ کر گنہگار ہیں۔

گناہ سے نفرت، گنہگار سے نہیں

مسلمہ طور پر اسلام کی تعلیم یہی ہے اور یہی تصور حرزِ جان بنالینا چاہئیے کہ گنہگار انسان قابل نفرت نہیں ہوتے بلکہ گناہ قابل نفرت ہے۔ اسلام نے بلاشبہ یہی تعلیم دی ہے جس کی مثال ایک حدیث پاک میں ہمیں مل جاتی ہے۔

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں قبیلہ قریش کا ایک نوجوان حاضر ہوا۔ اس وقت صحابہ کرامؓ سراپا ادب بنے ہوئے آقائے دوجہاں ﷺ کی مجلس میں بزم آراء تھے۔ وہ نوجوان جو عنفوان شباب کے عالم میں تھا یوں عرض پیرا ہوا: یارسول اللہ ﷺ میں آپ کا ہر حکم مانوں گا مگر آپ مجھے ایک گناہ کی اجازت دے دیں کہ میں یہ گناہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نبی کریم ﷺ نے استفسار فرمایا کہ وہ کون سا گناہ ہے، تو وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ مجھے بدکاری کی اجازت دے دیں۔ اس لئے کہ اسے چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں۔

اس موقع پر کوئی زاہد خشک مصلح اور مبلغ محض ہوتا تو نہ جانے وہ درشتی کلام کے اس انداز سے اسے جھڑک دیتا کہ ظالم تو نے یہ کیا بات کہہ دی۔ عین ممکن تھا کہ طیش میں آکر وہ اسے اپنی مجلس ہی سے نکال دیتا۔ لیکن مصلح اعظم اور طبیب امراض روحانی جناب سرکار دو عالم ﷺ کی جبیں مبارک پر ذرہ برابر بھی شکن نمودار نہ ہوئی۔ صحابہ متعجب و حیران دیکھ رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس قریشی نوجوان کو اپنے قریب کرلیا اور بڑی شفقت سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اے بیٹے بتا یہ جرم جس کی تو نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کس سے کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا تو ایسا اپنی ماں سے کرے گا؟

اس نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ (ﷺ) ہرگز نہیں۔ کیا کوئی اپنی ماں سے بھی ایسا ارادہ کر سکتا ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ہاں! تو نے سچ کہا۔ تو پھر کیا اپنی بہن سے ایسا ارادہ ہے؟''

اس نے عرض کیا۔

''نہیں! کیا کوئی اپنی بہن سے یہ حرکت کر سکتا ہے؟''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تو نے سچ کہا۔ پھر آپ نے چچی، پھوپھی، خالہ اور جتنے محرم رشتے ہو سکتے تھے، سب گنوا دیئے اور وہ ہر ایک کے بارے میں انکار کرتا رہا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس طرح نفسیاتی طور پر اس کو یہ بات باور کرا دی کہ تو جس خاتون سے بھی بدکاری کا ارتکاب کرے گا وہ کسی نہ کسی کی ماں، بہن اور خالہ وغیرہ ہوگی اور اگر تجھے اس امر کی اجازت دے دی جائے تو پھر تیری سگی ماں اور بہن بھی نہیں بچ سکے گی۔

(مسند احمد بن حنبل، ۵:۲۵۶)

حکایت

ایک نیکوکار شخص کا گھر عسرت و مفلسی نے دیکھ لیا اور پے در پے فاقوں کی وجہ سے گھر کے در و دیوار پر موت کے سائے منڈلانے لگے اور قریب تھا کہ اہل خانہ لقمہ اجل بن جاتے، کار قضاء اس شخص کو کئی دن مزدوری نہ ملی۔ کام کی تلاش میں جاتا اور ناکام لوٹتا۔ اس کی ایک نوجوان حسین و جمیل بیٹی تھی، جس سے یہ صورت حال دیکھی نہ گئی۔ وہ بن سنور کر گھر سے باہر نکل پڑی، نقاب اتار دیا اور بازار کے چوراہے میں چلی گئی کہ شاید عزت نیلام کرنے سے ہی ایک دو وقت کے کھانے کا انتظام ہو جائے، مگر وہ رات گئے تہی دست ہی گھر لوٹی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، کہنے لگی۔

''ابا جان! میں آج سارا دن عشوہ باز نگاہوں سے دعوتِ گناہ دیتی ہوئی شہر کے

گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتی رہی کہ شاید نگاہ التفات میری طرف اٹھ جائے اور کم از کم رات کے کھانے کے لئے ہی کچھ مل جائے، مگر کسی نے نگاہ غلط انداز میں مجھ پر نہیں ڈالی۔'' وہ شخص کہنے لگا۔

''بیٹی! تیری طرف کسی کی بری نگاہ کس طرح اٹھ سکتی تھی جب کہ میں نے اپنی جوانی کے زمانے میں کس کی طرف برے ارادے سے نہیں دیکھا''۔

حضور اکرم ﷺ اس نوجوان کو جو سمجھانا چاہتے تھے وہ اس کے دل میں اتر گیا۔ پھر حدیث پاک میں آگے بیان ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنا دست شفقت اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ کتنا خوش نصیب تھا کہ وہ جو گناہ کی اجازت مانگنے آیا تھا مگر آقا و مولا ﷺ کے کرم کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس نوجوان کے گزشتہ گناہ معاف فرمادے اور اس سے آئندہ گناہ کرنے کی توفیق سلب کر لے۔ حدیث کے راوی صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر زندگی بھر کے لئے اس کی ماہیت قلب اس طرح تبدیل ہوئی کہ مرتے دم تک کسی کی طرف غلط نظر اٹھی ہی نہیں۔

اسلامی تعلیمات کا بنیادی نکتہ

اسلام نے گناہ سے نفرت کی تعلیم دی ہے، گناہ گار سے نہیں۔ مرض سے بچنے کا سبق سکھایا ہے، مریض سے نہیں۔ اس لئے کہ اگر طبیب مریض سے نفرت کرنے لگے تو پھر اس کے مرض کے ازالے کا سامان کہاں سے ہوگا۔ اس طرح اگر روحانی معالج اور طبیب گنہگار کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دے تو پھر اس کی اصلاح کرنے والا اور اسے راہ راست پر لانے والا کون ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں کافر اور فاسق و فاجر ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی کسی کو نہیں دھتکارا تھا بلکہ حضور ﷺ سب کو سینے سے لگاتے۔ خود اپنے ہاتھ سے بکریوں کا دودھ دوھ کر ان کی تواضع فرماتے اور اپنی چادر مبارک ان کے نیچے بچھاتے اور کمال مہربانی ولطف سے پیش آتے۔

یہ اللہ تعالی کی سنت اور طریقہ ہے کہ وہ اپنے سب بندوں پر مہربان اور وہ اپنی

رحمت کی خیرات بانٹتے ہوئے اچھوں اور بروں میں تمیز نہیں کرتا۔ وہ اس دنیا میں کافر اور مومن دونوں کو نوازتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

بندۂ حق از خدا گیر و طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

یہی مردان حق کا شیوہ ہے کہ وہ کسی سے اس بنا پر نفرت نہیں کرتے، وہ کافر اور گنہگار رہے، خطاکار و عصیاں کار رہے۔

صحابہ کرامؓ کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ حضرت علی شیر خداؓ نے افطاری کے وقت اپنے منہ سے لقمے نکال کر جس کے منہ میں ڈال دیئے تھے وہ ایک اسیر اور قیدی ہی تو تھا۔ ان کا ایسا کرنا اس آیہ کریمہ کا شان نزول بن گیا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝ — اور اس کی محبت پر مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(الدھر، ۷۶:۸)

یہ مقبولان الٰہی کا خاصہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے پیار کرتے ہیں اور ان کے ایثار کا یہ عالم ہے کہ خود بھوکا رہنا گوارا کر لیتے ہیں اور اپنا کھانا اٹھا کر کبھی مسکین، کبھی یتیم اور کبھی کسی قیدی کو دے دیتے ہیں۔

حضرت سیدنا غوث اعظمؒ اپنے ملفوظات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے دل میں یہ بات القاء کر دی "اے عبدالقادر! میرے بندوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ اللہ سبحانہ کو نیکوکاروں کی اطاعت اور عبادت گزاری سے بڑھ کر گنہگاروں کی بندگی عزیز ہے۔" اس لئے کہ نیکوکار لوگ جب عبادت کرتے ہیں تو ان کا دھیان ہمہ وقت میری جنت کی طرف لگا رہتا ہے اور اسی آرزو میں رہتے ہیں کہ انہیں جنت نصیب ہو، مگر گنہگاروں کا دھیان میری طرف رہتا ہے۔

حضرت غوث اعظمؒ مزید فرماتے ہیں کہ میرے مولا کا پیغام بندوں کے لئے یہ

ہے کہ اگر وہ میرے قریب ہونا چاہتے ہیں تو تقرب الی اللہ کا صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے قریب رہیں جن کے دل ٹوٹ چکے ہیں اور شکستگی و حرماں نصیبی ان کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ میں اپنے بندوں کو ان لوگوں کے درمیان ملوں گا۔

رب کریم نے اپنے کلام مجید میں بھی رضائے حق کی متلاشیوں کو یہی پیغام عطا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ O	بیشک اللہ کی رحمت احسان شعار لوگوں (یعنی نیکوکاروں) کے قریب ہوتی ہے۔

(الاعراف، ۷:۵۶)

یہ محسنین (احسان کرنے والے) کون لوگ ہیں؟ یہ وہی تو ہیں، جو اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اپنی نفی کر کے دوسروں پر سب کچھ لٹا دینا ایسے ہی مردان حق کا شیوہ ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

دل کا ٹوٹنا بارگاہِ ایزدی میں خستگی، شرمندگی اور ندامت کا باعث ہے۔ جب گنہ گار شکستگی کے عالم میں بدیدہ نم اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ توبہ کے لئے خدا کی بارگاہ میں بلند کرتا ہے تو پھر قبولیت کی گھڑی لپکتی ہوئی اس بندہ گنہگار کی طرف آتی ہے:

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے گنہگار کے اشک ندامت جتنے پسند ہیں اتنے لاکھوں عبادت گزاروں اور زاہدان شب بیدار کے سجدے اور اطاعت گزاروں کی اطاعت بھی پسند نہیں۔ اس لئے کہ ان کی عبادت میں ریا اور دکھلاوا ہوسکتا ہے، مگر دل شکستہ عاصیوں اور گنہگاروں کے ندامت بھرے آنسوؤں میں ریا کہاں؟ وہ آنسو تو اخلاص کے آنسو ہوتے ہیں۔

توبہ کرنے والوں کی عظمت

حضور اکرم نبی مکرم ﷺ سے منسوب ایک حدیث قدسی میں اللہ جل مجدہ کا یہ ارشاد بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر روئے زمین پر بسنے والے لوگوں میں سب گنہ گار ختم ہو جائیں اور صرف عبادت کرنے والے نیکوکار اور دن رات میرے حضور سجود و قیام میں گزارنے والے عبادت گزار بچ رہیں، جنہیں عبادات اور اطاعت گزاری کے سوا اور کوئی کام نہ ہو تو میری عزت کی قسم! میں ساری مخلوق کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک مخلوق لاؤں گا، جن میں ایسے گنہگار ہوں گے جو گناہ کر کے میرے حضور نادم ہوں گے اور رو رو کر مجھ سے معافی کے طلبگار ہوں۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار، رقم حدیث: ۲۷۴۸)

اس سے پتہ چلا کہ اللہ کی باران رحمت کو جو مزہ گنہگاروں کے آنسوؤں کو بہتے دیکھ کر برسنے کا آتا ہے، وہ عبادات گزاروں کے سجدوں اور تسبیح و تہلیل سے نہیں آتا۔ گناہوں کے بعد بخشش و مغفرت کی طلب میں بہتی ہوئی آنکھ اللہ کے دریائے رحمت کو جوش میں لے آتی ہے۔ جب انسان سے کوئی گناہ اور خطا سرزد ہو جائے اور وہ اپنی جان پر ظلم کر کے اپنے مولا کو ناراض کر بیٹھے اور یہ احساس ندامت کے آنسوؤں میں ڈھل کر اسے شکستہ دل کر دے تو پھر اس شکستگی اور خستگی کے عالم میں جو مزہ خلوت اور تنہائی میں رب کو منانے میں آتا ہے، وہ کسی اور ساعت میں نہیں آتا۔ اگر کسی انسان کو وہ چاہے کتنا ہی گناہوں اور خطاؤں کا پتلا کیوں نہ ہو، توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے تو یہ ایسی دولت ہے جس کا کوئی بدل نہیں، ایسے میں اس شخص کی خطائیں اور غلط کاریاں اس کے لئے نعمت بن جاتی ہیں اور اس پر اللہ کے فضل و کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ بار بار توبہ کرتا رہے۔ اگر وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر توبہ پر قائم نہیں رہتا اور اس سے پے در پے گناہ صادر ہوتے ہیں، پھر بھی اسے توبہ کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ اسے سچی توبہ یعنی توبۃ النصوح کی توفیق مل جائے۔ کسی صوفی

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گیر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(اے بندے تو چاہے کتنے ہی گناہ کر چکا ہے اب بھی ان سے توبہ کر لے اگر تو کافر' آگ اور بتوں کی پوجا کرنے والا ہے پھر بھی وقت ہے ہماری طرف لوٹ آ' ہماری اس بارگاہ میں ناامیدی کا کیا کام۔ اگر تو نے سو بار اپنی توبہ توڑ ڈالی ہے پھر بھی ہماری توبہ کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہے۔)

اسیران جیل سے ضروری گذارش

اے اسیران جیل! آپ میں سے وہ خوش نصیب ہیں جن کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہیں غلطی اور گناہ کی کسک نے اور اس خیال نے کہ وہ اپنے مولا کو ناراض کر بیٹھے اور گرفت میں آ گئے' توبہ کی طرف مائل کر دیا۔ آپ میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جو کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں پکڑے گئے' غلطی کسی اور نے کی اور سزا انہیں ملی۔ ان کو بھی یہ خیال کبھی کبھار دامنگیر دل ضرور ہوتا ہوگا کہ یہ سزا اس جرم کی تو نہیں جس میں انہیں دھر لیا گیا ہے، مگر ان کا کون سا گناہ اور عمل تھا جو خدا کو ناپسند آ گیا جس سے ان کی گرفت ہو گئی یا کم از کم یہ خیال تو ضرور آیا ہوگا کہ مولا! میں قصوروار تو نہیں تھا مگر گردش حالات نے مجھے تیری مخلوق کی نگاہ میں گنہگار بنا دیا۔ یہ احساس اگر دل میں پختہ تر ہو جائے اور وہ جیل کی کوٹھری میں ندامت کے آنسو بہانا اپنا شعار بنا لے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ توبہ کے پانی سے اس کے تمام کردہ اور ناکردہ گناہوں کی سیاہی دھل جائے گی اور اسکی آخرت ضرور سنور جائے گی۔

اے اسیران جیل! آپ کو جو تنہائی اور خلوت کا یہ ماحول میسر ہے، اسے غنیمت

جائیں اور اپنے رب کو منالیں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ صوفیاء کرام اور اللہ کے برگزیدہ بندے خلوت کی تلاش میں جنگلوں، بیابانوں اور ویرانوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ جہاں وہ اپنے مولا کو یاد کرتے اور گریہ وزاری سے رضائے الٰہی کے حصول کا سامان کرتے، گوشہ نشینی اور تنہائی میں مولا کو یاد کرنا اور آنسو بہانا شیوہ پیغمبراں اور سنت انبیاء بھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ اعلان نبوت سے قبل غار حرا میں خلوت نشینی کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ پر پہلی وحی بھی غار حرا میں نازل ہوئی تھی۔

حرفِ آخر

اس وقت جیل میں آپ کو دو کیفیتیں میسر ہیں۔ ایک خلوت کا ماحول اور ایک ہمہ وقت گناہ یا گناہ کے الزام کا احساس، دل شکستہ اور دکھی ہونے کا احساس، میرا پیغام آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ یہاں جو وقت گزار رہے ہیں اسے دو صورتوں میں گزارا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ دن گنتے رہیں اور اس انتظار میں رہیں کہ کب اس زندگی سے چھٹکارا ملے گا۔ اس صورت میں دل میں اکتاہٹ اور بوریت کا احساس پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ دوسری صورت میں آپ کو جو خلوت اور گوشہ نشینی کا ماحول میسر ہے، اس سے آپ فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی یاد میں محبوب حقیقی کو منانے میں بسر کر سکتے ہیں۔

اگر اس خلوت کو محبوب کی خلوت گاہ بنالو اور نماز پنجگانہ کے بعد نماز تہجد کو بھی اپنا معمول بنالو۔ آپ اپنی پیشانی خاک پر رکھ کر اتنا روئیں کہ سارے گناہ دھل جائیں اور ندامت کے آنسو دل کی سیاہی صاف کر دیں تو اس طرح آپ کا وقت بھی کٹ جائے گا اور آپ کی آخرت بھی سنور جائے گی۔ ہوسکتا ہے توبہ کی بدولت آپ کی دنیاوی زندگی بھی سنور جائے۔

آپ اس عرصہ کے دوران اللہ کے حضور ایسی توبہ پیش کریں کہ جب آپ کو یہاں سے چھٹکارا حاصل ہو تو آپ کو یوں معلوم ہو کہ جیسے آپ کے سارے ظاہری باطنی گناہ بھی دھل چکے ہیں اور آپ مکمل طور پر ہر قسم کے گناہ سے تائب بھی ہو چکے ہوں۔